موخرالذکر کی کوشش سے مصر کی مشہور تنظیم جمعیة الشبان المسلمین قائم ہوئی جو مسلمان نوجوانوں کی مؤثر تنظیم تھی۔ شیخ حسن البنا اس تنظیم کے سرگرم معاون تھے اور جس روز، یعنی ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کی شام کو ان کی شہادت ہوئی، اس شام وہ اسی تنظیم کے دفتر میں بعض حکومتی نمایندوں سے میٹنگ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ میرا بھی زمانۂ قیام مصر میں یہاں اکثر جانا رہتا تھا۔ یہ ثقافتی سماجی اور دینی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور یہاں کے شان دار آڈیٹوریم میں بعض مشہور علما و ادبا کے ساتھ مجھے ایک پروگرام میں تقریر کرنے کا موقع ملا، عنوان تھا: 'دنیا میں اسلام'۔ میں نے ہندو پاک میں اسلام کے موضوع پر تقریر کی تھی۔ صالح حرب پاشا اس زمانے میں اس کے صدر تھے۔

۲۰ویں صدی عیسوی میں جو عظیم دینی تحریکیں دنیا میں قائم ہوئیں، ان میں تحریک اخوان المسلمون (مصر)، تبلیغی جماعت (ہند)، اور جماعت اسلامی (ہندو پاکستان) سب سے زیادہ دوررس نتائج کی حامل تھیں۔ ان تحریکوں کے بانیوں میں سب سے کم عمر حسن البنا شہید تھے اور سب سے زیادہ کم عمری ہی میں، یعنی ۴۳ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اور ان کو شہادت کا شرف نصیب ہوا۔ پھر ان کی تحریک کو جس ابتلا و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ارکان جس قتل و غارت گری سے دوچار ہوئے، اگر یہ سب کچھ کسی دوسری تحریک کے ساتھ پیش آتا تو نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا کیا انجام ہوتا، لیکن الحمدللہ یہ عظیم اور جامع اسلامی تحریک آج بھی زندہ ہے۔

امام حسن البنا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ان کو ۲۰ ہزار اخوانیوں کے نام یاد تھے۔ وہ کوئی بہت بڑے مصنف نہیں تھے۔ ان سے جب بعض لوگوں نے تصنیف و تالیف کے لیے کہا تو انھوں نے جواباً کہا: ''میں کتابوں کے بجاے ایسے آدمی بنانا چاہتا ہوں کہ ان میں سے اگر ایک آدمی کو بھی میں کسی شہر میں بھیجوں تو وہ اس شہر کی حالت درست کر دے''۔ واقعی انھوں نے ایسے افراد تیار کیے۔ ایسے افراد میں، سید قطب شہید نمایاں ترین تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اخوان کی راہ نمائی کے لیے مختلف دینی موضوعات پر آٹھ رسائل تحریر کیے، جس کا ۵۰۰ صفحات پر محیط اڈیشن بیروت سے ۱۹۶۶ء میں چھپا۔ بے شک وہ چودھویں ہجری کے مجدد تھے۔ رحمه الله رحمة واسعة۔

***

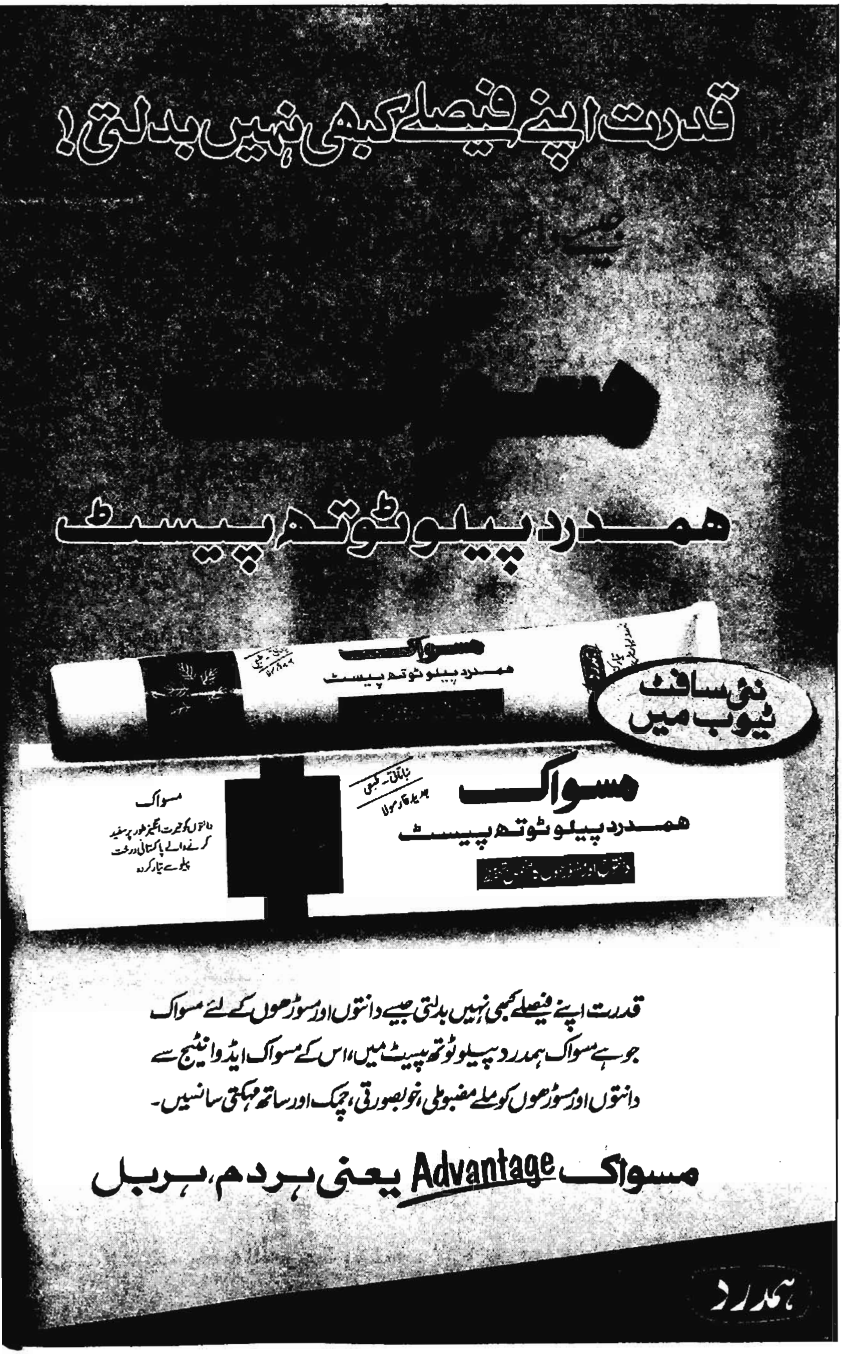
قدرت اپنے فیصلے کبھی نہیں بدلتی!
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ
نئی سافٹ ٹیوب میں
مسواک
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ
مسواک
دانتوں کو حیرت انگیز طور پر سفید
کرنے والے پاکستانی درخت
پیلو سے تیار کردہ
قدرت اپنے فیصلے کبھی نہیں بدلتی جیسے دانتوں اور مسوڑھوں کے لئے مسواک
جو ہے مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ میں، اس کے مسواک ایڈوانٹیج سے
دانتوں اور مسوڑھوں کو ملے مضبوطی، خوبصورتی، چمک اور ساتھ مہکتی سانسیں۔
مسواک Advantage یعنی ہر دم، ہر پل
ہمدرد

شہید ابو

سناء حسن البنا°

○ سوال: سب سے پہلے ہم آپ کے افراد خانہ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟

● جواب: ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ ہمارے دو بھائی، والد صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے تھے۔ ہم میں سب سے بڑی وفاء بہن ہیں جو مرحوم سعید رمضان کی اہلیہ بنیں، ان کے بعد احمد سیف الاسلام البنا ہیں، پھر سناء اور محمد حسام الدین (فوت ہوگئے)، ان کے بعد رجاء ہیں اور پھر صفاء تھیں (فوت ہوگئیں) ان کے بعد ہالہ ہیں اور سب سے چھوٹی بہن استشہاد ہیں جو والد صاحب کی شہادت کے بعد پیدا ہوئیں۔ ہمارے دادا ان کا نام دماء (خون) رکھنا چاہتے تھے لیکن رجسٹریشن کرنے والوں نے یہ نام رکھنے سے انکار کر دیا۔ پھر میرے دادا نے بھی یہ نام پسند نہیں کیا کہ وہ ہماری بہن کی ذات کا حصہ بنتا تھا اس لیے استشہاد (شہادت) تجویز کیا گیا۔ کلرک نے اس سے بھی انکار کر دیا لیکن میرے دادا نے اصرار کیا اور کہا کہ اگر اس کا یہ نام نہیں لکھو گے تو میں اسے بے نام ہی رہنے دوں گا یہاں تک کہ یہ بچی تم لوگوں کے ظلم کی زنجیر توڑنے کا سبب بن جائے گی۔ اس پر مجبور ہو کر اس نے استشہاد رجسٹر کر لیا، کیونکہ اس نے میرے ابو کی شہادت کے بعد جنم لیا تھا۔ یہ نام دادا جان، دادی جان اور ہماری بڑی بہن وفاء نے چنا تھا۔

ابو کی شہادت کے وقت وفاء باجی کی عمر ۱۷ برس تھی اور سیف ۱۴ سال کے تھے۔

○ حسن البنا شہید کی صاحب زادی۔ انٹرویو نگار: نسیبہ حسین، ترجمہ: عبدالغفار عزیز

سناء ۱۱ سال کی تھی۔ رجاء ساڑھے پانچ برس کی تھیں، جب کہ ہالہ اڑھائی سال کی تھی۔ ہماری والدہ اس وقت بیماری سے دوچار تھیں۔ وہ دل کی مریضہ بھی تھیں۔ ہالہ کی پیدایش کے بعد امی کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ ابو کی شہادت کے وقت ان پر بیماری کا حملہ شدید تھا، حتیٰ کہ ان کے معالج نے کہا کہ اسقاط کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس ضمن میں حتمی فیصلہ کرنے کے لیے انھوں نے ۱۲ فروری کی تاریخ طے کر دی۔ لیکن ۱۱ فروری ۱۹۴۹ء کی شام ابو کو شہید کر دیا گیا۔ امی کی طبیعت خراب ہونے کے باعث ڈاکٹر صاحب وزارت داخلہ سے خصوصی اجازت کے بعد ابو کی شہادت کے اگلے دن گھر آنے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس نے ہمارے گھر کا مکمل محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اصرار کیا کہ والدہ کو ہسپتال لے جایا جائے، لیکن امی نے انکار کر دیا۔ پھر کچھ عرصے بعد دوبارہ یہی بات چلی۔ سیف بھائی نے امی کی کمزور صحت کے باعث اسقاط سے انکار کر دیا۔ ہماری ایک رشتہ دار خاتون انھیں ایک اور ڈاکٹر کے پاس لے گئیں جنھوں نے کہا کہ ہر ۱۵ روز بعد طبی معائنہ ہوتا رہے گا۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو پھر کوئی انتہائی فیصلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کو منظور تھا کہ استشہاد دنیا میں آئی اور اس کا نام ابو کی شہادت کی نشانی بن گیا۔

○ ذاتی زندگی میں امام شہید کا آپ سے برتاؤ کیسا تھا؟

● ابو کی پوری زندگی میں بہت واضح اور مکمل توازن تھا۔ انھوں نے ہماری تربیت میں بھی توازن برتا۔ ہماری بہن وفاء بچوں میں سب سے بڑی تھیں اور وہ گھر پر ابو کی سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ امی مصروف بھی بہت رہتی تھیں اور بیمار بھی تھیں۔ گھر پر میزبانی کی ذمہ داریوں کا بڑا بوجھ امی کے کندھوں پر تھا۔ مرکز میں آنے والے مہمانوں کے لیے کھانا بھی بعض اوقات وہی تیار کیا کرتی تھیں۔ کبھی ایک دن میں تین تین بار کھانا پکتا۔ ابو کی شہادت کے بعد بھی اخوان کا معمول تھا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد ہمارے گھر والوں سے ملاقات کے لیے ضرور آتے اور یہ ناممکن تھا کہ کوئی آئے اور امی اسے کچھ کھلائے پلائے بغیر جانے دیں۔ جب امی ابو قاہرہ آگئے اور وہاں اخوان کا مرکز بننے لگا تو امی نے اپنا سارا جہیز مرکز کے لیے دے دیا، یہاں تک کہ گھر کے قالین اور پردے بھی۔ یہاں میں آپ کو امی کے بارے میں مزید کچھ تفصیلات بتاتی چلوں۔ میری والدہ اسماعیلیہ شہر کے ایک درمیانے متمول گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ میری دادی اماں، ہمارے

والد صاحب کے لیے مختلف گھروں کے رشتے دیکھ رہی تھیں۔ ایک رات امی کے گھر آئیں تو انھیں نسوانی آواز میں خوب صورت تلاوت قرآن کی آواز آئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ فلاں ہیں اور دورانِ نوافل تلاوت کر رہی ہیں۔ دادی نے بغیر کچھ مزید پوچھے ذہن میں ایک رائے قائم کر لی۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ اگرچہ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے' ملازم خواتین بھی ہیں لیکن اہلِ خانہ گھر کے اکثر کام خود کرتے ہیں تو یہ رائے مزید پختہ ہوگئی' لیکن پھر معلوم ہوا کہ ان کی منگنی کہیں اور طے ہوچکی ہے، یہ سن کر دادی اماں واپس آگئیں ـــــ ایک روز ایسا ہوا کہ امی کا منگیتر آیا اور نانا سے کہنے لگا: اپنی صاحب زادی کو میرے ساتھ بھیج دیں ہم نے سینما جانا ہے۔ نانا نے کسی سے پوچھا: یہ سینما کیا ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ تو بڑی خراب چیز ہوتی ہے جس میں رقص و سرود بھی شامل ہے۔ نانا نے منگنی کی انگوٹھی لاکر ان کی ہتھیلی پر رکھ دی اور کہا: تم سے میری کسی بیٹی کی شادی نہیں ہوسکتی۔ بعد میں یہ رشتہ ابو کے ساتھ طے پا گیا۔

○ مسلسل سفر اور شدید مصروفیت کے باوجود وہ آپ لوگوں کی تربیت کے لیے کیسے وقت نکالا کرتے تھے؟

● ابو دورہ کر کے بھی ہماری تربیت کیا کرتے تھے۔ مثلاً انھیں معلوم ہوا کہ سیف بھائی کچھ عام قسم کے ناول پڑھنے کے شوقین بنتے جارہے ہیں۔ انھوں نے منع کرنے کے بجائے تاریخ اسلامی کے واقعات اور عظیم شخصیات جیسے صلاح الدین ایوبی کے بارے میں کئی اچھی کتابیں انھیں لاکر دیں، نتیجہ یہ کہ کچھ عرصہ بعد خود سیف الاسلام بھائی کی پسند بدل گئی۔ اس طرح والد صاحب کی کوشش ہوتی تھی کہ ہم جو کام بھی کریں اس کا داعیہ خود ہمارے دل سے اٹھے۔

'جدید مصر' نامی ایک پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل، میرے والد صاحب سے بڑی عقیدت رکھتی تھیں۔ وہ ہر منگل کو ابو کے درس کے لیے خواتین کو جمع کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے ابو سے پوچھا کہ: ''آپ اپنی کوئی بیٹی داخل کروانا چاہتے ہیں''۔ ابو نے رضامندی ظاہر کی تو انھوں نے مجھے وہاں براہِ راست پہلی کلاس میں داخلہ دے دیا۔ لیکن جب ابو نے دیکھا کہ پرنسپل کے لاڈ پیار کی وجہ سے میری پڑھائی کا معیار گر رہا ہے، تو انھوں نے مجھے وہاں سے وفاء بہن کے اسکول منتقل کردیا۔

ابو کبھی ہمیں افسردہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک بار دادی جان نے شادی کی ایک تقریب میں جانے کا پروگرام بنایا۔ طے ہوا کہ سیف بھائی، وفاء بہن اور میں ان کے ہمراہ جائیں گے، لیکن جب روانگی کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ سامان زیادہ ہوگیا ہے اور ہمارے لیے جگہ نہیں ہے، بہ مشکل وفاء بہن اور سیف بھائی ہی بیٹھ سکتے تھے۔ اس لیے دادی جان ان دونوں کو لے گئیں اور میں اپنے کپڑوں کا بیگ تھامے وہیں کھڑی رہ گئی۔ ابو آئے انھوں نے میرے کندھے تھپتھپائے اور کہا سناء کوئی بات نہیں اور مجھے راضی کرنے کے لیے ۲۵ قرش دے دیے جو اس وقت اچھی خاصی رقم تھی۔ میں پھر بھی اداس ہی رہی جس پر انھوں نے میرا بیگ اٹھایا اور مجھے ساتھ لے گئے۔

○ کیا کبھی ان کی دعوتی سرگرمیاں انھیں آپ سے دور کردیتی تھیں؟

● انھوں نے کبھی ہمیں یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کام کا بوجھ اپنے ساتھ گھر لے آئے ہیں۔ مثلاً ہم نے انھیں کبھی ان لوگوں کی طرح کرتے نہیں دیکھا کہ جو گھر میں داخل ہوتے ہی چیخنا چلانا، ڈانٹنا اور دھمکانا شروع کر دیتے ہیں۔ ابو کی زندگی میں سب سے اہم اور قابل ذکر بات ان کا منظم ہونا تھا۔ آپ والد صاحب کی زندگی کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ وہ مکمل طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بخوبی سمجھتے تھے کہ تم پر تمھارے بدن کا بھی حق ہے۔ ابو ۲۴ گھنٹوں میں بہ مشکل چار گھنٹے سویا کرتے تھے۔ آپ کی ۱۰ سنہری نصیحتوں میں بھی یہ بات شامل تھی کہ ذمہ داریاں اوقات سے زیادہ ہیں۔ ان کی یہ بات ان جیسے اللہ کے مجاہدوں کے لیے تو درست تھی، رہے ہم جیسے لوگ تو وقت ضائع کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، غالباً ہمیں سب سے اچھی طرح یہی کام کرنا آتا ہے۔ ابو ہمیشہ دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر ان کے پاس مہمان ہوتے تو انھیں بھی گھر لے آتے تھے۔

ابو صبح کام پر جاتے، دوپہر کے کھانے کے وقت آتے، پھر بہت تھوڑا سا آرام کرتے، یہاں تک کہ وفاء باجی کہتی ہیں ایک بار ابو نے کہا: ''میں تھوڑی دیر آرام کرنے لگا ہوں۔ مجھے ٹھیک سات منٹ بعد جگا دینا''۔ باجی کہتی ہیں کہ میں جا کر قہوہ تیار کرنے لگ گئی کہ جتنی دیر میں قہوہ

بنے گا سات منٹ ہو جائیں گے اور میں ساتھ ہی قہوہ پیش کردوں گی۔ لیکن جیسے ہی میں قہوہ تیار کر کے پلٹنے لگی وہ میرے ساتھ کھڑے پوچھ رہے تھے۔ ”وفاء بیٹی! قہوہ بن گیا“۔ ابو خود پر مکمل کنٹرول رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی ذات کو اپنی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب نہیں ہونے دیا۔

ابو نے ہم میں سے ہر ایک کی الگ الگ فائل بنا رکھی تھی، جس میں اس کا سارا ریکارڈ محفوظ رکھتے تھے۔ ہر بچے کے اسکول کے معاملات، بیماری اور علاج، حفاظتی ٹیکوں کی تاریخیں، یہاں تک کہ ولادت سے لے کر جو جو ٹیکے لگے اور جو جو بیماری لاحق ہوئی ہر چیز کا ریکارڈ ہماری فائلوں میں رکھتے۔ یہ بھی ان کے منظم ہونے کی علامت تھی کہ کسی کام کو دوسرے کام پر حاوی نہیں ہونے دیتے تھے۔

○ آپ نے بتایا کہ آپ کی بڑی بہن وفاء ان کے سیکرٹری کی حیثیت رکھتی تھیں۔

● وفاء باجی ہم میں سب سے بڑی تھیں اور ہمیشہ گھر ہی میں رہتی تھیں۔ ہماری بہن 'الاخوات المسلمات' کی تاسیس کرنے والوں میں سے تھیں۔ دیگر کئی بہنیں بھی ان کے پاس آتی رہتیں اور مختلف معاملات میں ہاتھ بٹاتیں۔ امی بھی اس پورے کام میں ان کے ساتھ شریک رہتیں۔ ابو انھیں ہماری بڑی بہن وفاء کے نام کی مناسبت سے اُم وفا کہہ کر مخاطب کیا کرتے' اور انھوں نے بھی ابو کی شہادت تک ہی نہیں' شہادت کے بعد بھی وفا کا حق ادا کردیا۔

○ امام حسن البنا رحمہ اللہ کے خلاف سازشیں کیسے شروع ہوئیں؟

● آپ کی شہادت سے پہلے ہر طرف ان کے قتل کی بات کی جانے لگی تھی۔ کبھی ہمیں یہ خبر ملتی کہ ہمارا گھر دھماکے سے اڑا دیا جائے گا۔ ابو ان باتوں پر حیرت کا اظہار کرتے اور بڑے اطمینان سے کہتے کہ: ”کیا سب کچھ صرف مجھے قتل کرنے کے لیے کریں گے۔ کیا پوری کی پوری ریاست میرے قتل کی سازشوں میں ملوث ہو جائے گی۔ مجھے قتل کرنے کے لیے اتنے تردد کی کیا ضرورت ہے۔ میرے لیے تو ایک کرایے کا قاتل کافی ہے جو کہیں سے چھپ کر گولیاں چلائے اور بس“، ہم یہ سن کر گھبرا جاتے۔ ابو کو ان دنوں جس چیز کی زیادہ تکلیف تھی وہ اخوان کے کارکنان کی

بڑی تعداد میں گرفتاریاں تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے: ''مجھے اخوان کے بچوں کی آہ و بکا ہمیشہ سنائی دیتی رہتی ہے''۔ وہ اخوان کی رہائی کے لیے ہر وسیلہ اختیار کرنے کے لیے تیار تھے۔ اس ضمن میں وہ مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ الشبان المسلمون کے دفتر میں بعض سرکاری کارندوں سے اپنی آخری ملاقات میں انھوں نے انھیں بتایا کہ وہ شیخ نبراوی صاحب سے ملنے جائیں گے جن کی عمر اس وقت ۷۰ سال کے قریب تھی، لیکن والد صاحب کے وہاں جانے سے پہلے ہی حکومتی ایجنسیوں نے جاکر شیخ نبراوی صاحب کا ڈیرہ تباہ کردیا۔ پھر انھوں نے ابو سے کہا کہ شیخ الازہر جناب مراغی صاحب ان سے الشبان المسلمون کے مرکز میں ملنا چاہتے ہیں، لیکن یہ سب انھیں شہید کرنے کی سازش ہی کا حصہ تھا۔

○ امام البنا کی شہادت کا دن آپ کے لیے کیسا تھا؟

● وہ دن میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس کا ایک ایک لمحہ میری یادداشت پر ثبت ہے۔ اس روز ایک پوری بٹالین فوج نے علاقے کو گھیرا ہوا تھا۔ اس علاقے کے ہر گھر کے افراد کے نام و پتے لکھے گئے، اور اس روز وہاں رہایشی افراد کے علاوہ کسی کو آنے یا وہاں سے نکلنے نہیں دیا گیا۔ وہ لوگ ہمارے گھر کی بوسیدہ عمارت کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ حالانکہ وہ گرنے کے قریب تھی، لیکن اس کی سیڑھیوں اور چھت پر فوجیوں کی بڑی تعداد براجمان تھی۔ وہ میرے دادا کو لے گئے اور اصرار کرنے لگے کہ وہ قصر عینی ہسپتال سے اپنے بیٹے کی میت وصول کریں اور وہاں سے سیدھا قبرستان چلے جائیں۔ میرے دادا نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ پہلے شہید کی اہلیہ اور بچے اس کا چہرہ دیکھ لیں تو پھر تدفین ہوگی۔ بالآخر دادا کا اصرار مان لیا گیا اور ابو کی میت گھر لائی گئی۔ دادا جان دروازے پر ہمیشہ اپنے مخصوص انداز میں دستک دیا کرتے تھے۔ انھوں نے آکر وہی مخصوص دستک دی اور کھنکارتے ہوئے امی سے کہا: 'دروازہ کھولیں'۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ ہم لوگ ان دنوں اپنے معمول کے خلاف دیر تک جاگتے رہتے تھے کیونکہ ہر طرف دہشت کی فضا قائم کردی گئی تھی اور ہمیں ابو کی شہادت قریب ہونے کا یقین ہو چلا تھا۔ جیسے ہی دادا کی آواز آئی: 'دروازہ کھولیں' امی کو یقین ہوگیا کہ جو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہو چکا۔ دروازے پر دادا جان کی آواز سنتے ہی امی پکاریں: 'بالآخر انھیں مار ڈالا گیا' اور انھوں نے رونا شروع کردیا۔ دروازہ کھلنے پر دادا نے امی کی ڈھارس